ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

جوش ملیح آبادی کی طویل نظمیں

JOSH MALIH ABADI KI TAVEEL NAZMEIN

ڈاکٹر عابد خورشید: اسسٹنٹ پروفیسر، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

Email: abidkhurshid08@gmail.com

محمد سید علی: لیکچرر، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

Email: saidalijatoi14@gmail.com

شازمہ زہرا، لیکچرر، گورنمنٹ گرلز ایسوسی ایٹ کالج، چوٹی زیریں، ڈیرہ غازی خان

Email: honey.honeykhan786@gmail.com

Abstract :

Josh Maleeh Abaadi has earned the name in poetry specially in his long marvellous poems, that knock at the door of revolution. He comes as rebellion who wants to change the oppressed social system. In the perspective of imperia on subcontinent suppression and socio-political movements of independence, all are the major themes of his everlasting work.

This article is a critical study of Josh`s long poems including his two "Yek baabi Nazmain" related to the dawn of freedom, revolution, humanism and other lofty ideas with great craftsmanship and poetic techniques grand diction and rhetorical enthusiasm. As a whole his tendency is toward the genre of epic and he has focussed on the tragic event of "Karbala" and the martyrdom of Hazrat Imam Hussain(A.H) and his family. Although he showed his great attachment with such event but he has never compromised his poetic art at any stage due to which becomes a distinguished poet among the lit of his contemporary poets.

Keywords: Long poems, Yek baabi Nazmain, Rebellion, Subcontinent Suppression, Socio-political, Craftsmanship, Poetic Techniques, Rhetorical enthusiasm

ماتمِ آزادی / جوش ملیح آبادی

باجے بجے تو شورِ فغاں دُور تک گیا
کشتی ملی تو خیر سے دریا بچک گیا
شبنم گری، دل سمن و سرو پک گیا
بوندیں پڑیں تو اور بھی گلشن دمک گیا
اپنا گلا خروشِ ترنم سے پھٹ گیا
تلوار سے بچا تو رگِ گل سے کٹ گیا (۱)

جوش ملیح آبادی (5 دسمبر 1898ء- 2 فروری 1982ء) شعری وجدان اور وفورِ شوق میں طویل نظمیہ کو مرکزہ کی منفرد حیثیت دیتے ہیں۔ طویل نظم، حسی اور تخیلی لحاظ سے ذوق سے منسلک ہے۔ مختصر نظم شمع کی لو کی طرح ہے، جب کہ طویل نظم کمرے میں روشن کیا ہوا فانوس ہے، جس سے کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ طبعی اختصار پسندی کا میلان دراصل طویل نظم ہم آہنگ ہونے میں رکاوٹ رہتا ہے۔

اُردو میں جوش شناسی کا سلسلہ کتب کی اشاعت کے علاوہ کئی معتبر رسائل کے خصوصی نمبروں تک پھیلا ہوا ہے ، جن میں 'ارتقاء'(1999ء) 'ادبیات'(اگست / ستمبر 2010ء) 'ماہِ نو'(2016ء) افکار' نے دو یادگاری نمبر (اکتوبر / نومبر 1961ء اور 1982ء) میں شائع کیے۔ جوش کی چند طویل نظموں کے بطون سے اس کی سراحت ممکن ہے۔ اُن کی طویل نظم 'ماتم آزادی' اُن کے مجموعہ 'سرود خروش' میں شامل ہے۔ احتشام حسین اور مسیح الزماں نے الہ آباد سے کتاب محل لمیٹڈ سے 'انتخابِ جوش' میں بھی اِس نظم کو شامل کیا ہے۔ مذکورہ نظم کے ساٹھ سے زائد بند ہیں اور ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ نظم کے آخر میں 1947ء درج ہے۔ نظم کے مجموعی مزاج کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر رخسانہ صبا کی رائے ملاحظہ کیجیے، جس کا اظہار اُنھوں نے اپنے مضمون 'اُردو کی چند طویل نظمیں اور اُن کا سماجی پس منظر' میں کیا ہے، وہ لکھتی ہیں:

یہ نظم [ماتم آزادی] فیض کے مصرعے

ع یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر

کی توسیع ہے، فرق یہ ہے کہ فیض کی نظم پاکستان کے حوالے سے ہے اور جوش کی نظم 'ماتم آزادی' بڑے دُکھ بھرے انداز میں فسانہء ہندوستان سناتی ہے اور اِس بات پر افسوس کا اظہار کرتی ہے کہ کہ اِس سرزمین نے کیسے کیسے گل کھلائے لیکن افسوس کہ جب آزادی نصیب ہوئی ہے تو اس کے ثمرات حاصل نہیں ہو سکے۔(۲)

ایک استفہامیہ ہے کہ شاعر نے نظم پر جو سنہ درج کیا ہے یعنی 1947، یہ تو منقسم ہندوستان کی تاریخ ہے، تو اِتنی جلدی یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ آزادی کی نعمت کے ثمرات نہیں مل رہے اور نتائج مرتب کرنے میں ایسی اُجلت کس لیے برتی گئی۔ ایک عام ذہن اور ذہن رسا کی یہی تفاوت ہے کہ ایک عام سمجھ بوجھ والا شخص محض سامنے کا منظر دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے جب کہ ایک تخلیق کار دُور رس حالات کو اپنے مشاہدے اور تجزیے سے نہ صرف ادراک کر سکتا ہے بلکہ اُس کی پیشین گوئی بھی کر سکتا ہے اور اِس کی بنیاد یقیناً اُس کے سامنے رونما ہونے والے واقعات ہی ہوتے ہیں۔ مذکورہ نظم میں جوش جب دیکھتے ہیں کہ تمام مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں اور انسانی لہو کی ارزنی ہے، چاہے وہ سکھ ہوں، ہندو، مسلمان، مسیحی یا دیگر مذاہب کے افراد اپنے ہی مذہبی احکام سے روگردانی کر رہے ہیں تو جوش اپنے اشعار میں اُس کا اظہار اِس انداز میں کرتے ہیں :

سکھ نے گرو کے نام کو بٹّہ لگا دیا
مندر کو برہمن کے چلن نے گرا دیا
مسجد کو شیخ جی کی کرامت نے ڈھا دیا
مجنوں نے بڑھ کے پردہء محمل جلا دیا
اِک سوئے ظن کو غلغلہء عام کر دیا
مریم کو خود مسیح کو بدنام کر دیا (۳)

آزادی کی تحریک نے ہندوستان میں بسنے والی دو بڑی قوموں کو اِس قدر متحرک کر دیا تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آزادی ملتے ہی یہاں کے رہنے والوں کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔ خوشحالی کے دروازے کھل جائیں گے اور جذبات اِس نہج تک پہنچ گئے کہ وہ فوریت پسندی سے باہر نہ آ سکے۔ یہ عمل دونوں طرف سے ہوا۔

اِس نظم کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ تخلیق کار یا شاعر ایک ہی وقت میں کئی زمانوں میں محوِ سفر ہوتا ہے۔ وہ وقت کے مروجہ پیمانوں سے ماورا ہو کر امکانات کی دُنیا کو تسخیر کرتا ہے اور وہ ہر طرح کے امکانات کو محسوس کر کے اُن کو بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اپنے ماحول اور حالات سے جڑے ہونے کے باوجود وہ کئی منطقوں میں رہتا ہے، جہاں اُس کی عمل داری ممکن ہے۔ کبھی کبھی وہ اُس جہان کے متوازن ایک جہان تعمیر کر لیتا ہے جس میں وہ سانس لے رہا ہے۔

نظم 'ماتمِ آزادی' کا ایک انداز دیکھئے :

وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار
وہ سنسنائی آنچ وہ اُڑنے لگے شرار
وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطاں ہوا غبار
اے بے خبر! وہ آگ لگی آگ، ہوشیار
بڑھتا ہوا فضا پہ قدیم مارتا ہوا
بھونچال آ رہا ہے وہ پھنکارتا ہوا (۴)

'ماتم آزادی' اور فیض کی نظم 'صبح آزادی' (جس پر اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ درج ہے) ایک ہی مزاج کی نظمیں ہیں؟ کیا یہ کسی مینوفسٹو کے تحت لکھی گئی ہیں؟ اِن دونوں سوالوں کا جواب نفی بھی دیا جانا چاہیے۔ ظاہر ہے دونوں بڑے تخلیق کار ہیں، دونوں کے اسلوب میں فرق ہے، اندازِ بیان کا فرق ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دونوں کے سامنے 'منظر' ایک جیسا ہے، یعنی انسانی خون جسے ناحق بہایا گیا۔ تاہم اِن دونوں نظموں میں ایک قدرِ مشترک ضرور ہے اور وہ اِن دونوں نظموں میں شعری تجربے کا وفور موجود ہے۔

☆☆☆

دینِ آدمیت / جوش

جب کبھی بھولے سے اپنے ہوش میں ہوتا ہوں میں
دیر تک بھٹکے ہوئے انسان پر روتا ہوں میں
اقتضائے وقت سے تھا کل جو خالص اِک رواج
ارتقائے وہم سے وہ دولت ایماں ہے آج (۵)

جوش ملیح آبادی کی طویل نظم 'دین آدمیت' اُن کے شعری مجموعے "حرف و حکایت" میں شامل ہے۔ جوش طویل نظم کی روایت کے عمدہ شاعر ہیں ، اُنھوں نے متعدد طویل نظمیں لکھیں ،اُن کی نظمیں" لافانی حروف" (شمارہ: جولائی۔اگست 1961ء:صبا) "گل بدنی" (شمارہ:11-12-1960ء:قند)اہم تخلیقات ہیں۔ نظم "دین آدمیت"میں جن موضوعات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اُن میں، 'انسان کا انسان سے تعلق'، 'انسان کا کائنات سے تعلق' اور 'انسان کا خدا' سے تعلق شامل ہے۔ یہ تینوں موضوعات اپنی اپنی جگہ پر بہت تفصیل طلب ہیں اور نظریے کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک فلسفیانہ مماثلت اِن تینوں کو آپس میں مربوط بھی کرتی ہے۔ اِس نظم کا یہ پہلو ہمہ گیری مرکزیت کا حامل ہے، کیونکہ اِسے کسی مخصوص قدر، کسی مخصوص عہد اور کسی مخصوص فکر تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ جوش کے ہاں شکوہِ الفاظ اور اُن کا اُتار چڑھاؤ اساسی نوعیت کی حامل خوبیاں ہیں اور یہ مظہر بھی منفرد ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں اُس ہجوم سے الگ بھی ہیں اور اُن کا جزو لاینفک بھی۔ جوش کا اسلوب اُن کے شعری محاسن کا مرکزی وظیفہ ہے، وہ اپنے موضوع کو ایسی معراج عطا کرتے ہیں کہ وہ اُنہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اِن نظموں میں جو شکا طرزِ تخاطب انفرادی اختصاص لیے ہوئے ہے، جو مرثیہ کے آہنگ میں اِس روایت کا آغاز بھی ہے۔

☆☆☆

خدا کی پہلی آواز / جوش ملیح آبادی

ہاں مجسم حسن ہو جا اے مرے دل کی ترنگ
اے نویلی سادگی بن جا نگارِ آب و رنگ
محمل اسما میں آجا، لیلیٰ وجہ جمیل
پردہء اشکال میں چھپ جا مری روح جلیل
حلقہ امکاں میں در آ اِک نئے انداز سے
اے مری ذات، اپنے دامن کو جھٹک کر ناز سے (۶)

جوش ملیح آبادی کی طویل نظم 'خدا کی پہلی آواز' اُن کے مجموعے "رامش و رنگ" سے لی گئی ہے۔ نظم 'حرفِ آخر' خدا کی پہلی آواز سے پہلے 'ارتقاء کا اعلان' ہے پھر نظم کے سارے حصے ہیں۔ ہنوز اس نظم کے باقیات کی تلاش جاری ہے اور اب تک قریباً بارہ ہزار اشعار تدوین کیے جا چکے ہیں۔ اِس نظم کا موضوع، عنوان سے ہی مترشح ہے یعنی تخلیق آدم کے واقعے کی بازگشت، فرشتوں سے مکالمہ، پھر جنت بدری۔ اگرچہ اِس موضوع کو اُردو شاعری میں ایک مستقل حیثیت حاصل رہی ہے۔ شعراء نے اِسے اپنے اپنے رنگ سے تشکیل دینے کی کوشش کی ہے، اِس واقعے میں اِتنا تجسس ہے، اِتنے موڑ آتے ہیں اور ڈرامائی کیفیات جنم لیتی ہیں کہ اِس کی دلچسپی کسی طور کم نہیں ہوتی۔ جوش کے ہاں بھی کئی نظموں میں اِس کی پرچھائیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جوش بنیادی طور پر انسان کی عظمت کے گرویدہ ہیں، اِس سارے واقعے سے جو کچھ اُنھوں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ' انسان آزاد ہے'۔ نسیم السحر صدیقی لکھتے ہیں :

> جوش عہد حاضر کی تعقل پسندی اور سائنسی بصیرت سے بھی انسانی عظمت کا مینار تعمیر کرنے میں فیض اُٹھاتے ہیں اور اس طرح سے جدید فکر سے قریب آجاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جوش کی باغیانہ اور انقلابی شاعری میں بھی انسان کی عظمت کا جوہر پوشیدہ ہے۔(۷)

بارگاہِ نور میں حاصل ہو کیوں ظلمت کو بار
ہم تری تسبیح کو کیا کم ہیں اے پروردگار

اِن پہ اشکوں کی نمی ہے اِن پہ سجدوں کے نشاں
یہ ہماری داڑھیاں ہیں، دیکھ یہ پیشانیاں
ماسوا اِس کے ضمیر آب و گل میں ہے جنوں
خاک پر تیری بہائے گا شقی انسان خوں (۸)

اِس نظم کے عنوانات بھی دلچسپی سے خالی نہیں، خلقت کی ایک مدت دراز کے بعد' ،'خاک کی تمنا'،' ارادہء تخلیقِ انسان'،' فرشتوں کا اعتراض'،'آدم کا زوال'،'پہلا ترانہ'،'سرخ پوش کی ترغیب' ۔جوش نے اِس نظم کو گیارہ منظروں میں تقسیم کیا ہے، یعنی وہ اِسے ڈرامائی انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ باقاعدہ منظر نگاری بھی کی گئی ہے، جس طرح مکالمہ کا پس منظر لکھا جاتا ہے، جوش نے نظم کے مصرعوں کے درمیان وہ منظر بیان کرتے ہیں، گویا قاری کو ہدایات دے رہے ہوں۔ جوش کی تصوراتی حسیات نظم کی دین ہیں :

واقعہ تھا کہ گماں تھا مجھے معلوم نہیں
کل یہ کیا ظرفہ سماں تھا مجھے معلوم نہیں
پرتو صبح کے مانند زمیں کی جانب
کون شب کو نگراں تھا مجھے معلوم نہیں
ذرّے ذرّے سے جوانی کی مہک آتی تھی
کس کا لب عطر فشاں تھا مجھے معلوم نہیں (۹)

جوش کی طویل نظموں کا مطالعہ اُن کی شعری دسترس کا آئینہ دار ہے۔ وہ الفاظ کے فشار کو تخلیقی جوہر سے مس کر کے ایسی دل آویز کیفیات کا اظہار کرتے ہیں کہ نظم شش جہات تناظر کا مرقع بن جاتی ہے۔ جوش وجدان، تخیل اور رنگ و آہنگ کے اعلیٰ معیارات پر فائز ہیں، وہ طویل نظم میں موضوع کی گرہیں ایسے کھولتے ہیں کہ نظم احساسات کی طرح اُترتی محسوس ہوتی ہے۔

☆☆☆

طلوعِ فکر / جوش ملیح آبادی

جب چہرہء اُفق سے اُٹھی سرمئی نقاب
کانپے نجوم، زرد ہوا روئے ماہ تاب
کھنکے فلک کے جام کُھلے سرخیوں کے باب
اُڑنے لگا عبیر، برسنے لگی شراب
رنگوں کی آب و تاب چرانے لگی فضا
آہستگی سے ہوش میں آنے لگی فضا (۱۰)

جوش ملیح آبادی کی یک کتابی طویل نظم ' طلوعِ فکر' دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ ایک سو دس سے زائد مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی اِس نظم کا بنیادی موضوع، اہلیت کا تذکرہ ہے۔ اِس مجموعہ کے ابتدائی صفحات پر درج ہے کہ 'یہ مسدس چہاردہ صد سالہ جشن یادگاری مرتضوی کے موقع پر کراچی کے ایک عظیم الشان اجتماع میں پڑھا گیا' اِس نظم کا موضوع ایسی عظیم المرتبت شخصیت سے متعلق ہے جو قلزمِ کائنات میں ایک ایسا منارہء نور و شعور ہے جس کی تابانیاں حیاتِ انسانی کے تمام فکری سفینوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔(۱۱) ایک ایسا آفاقی موضوع ہے، جوش کی طلوعِ فکر بھی ویسی ہے، یعنی 'رس' گدازِ سماعت کا مرہونِ منت ہے۔ ایستادہ ہے، منتظر ہے! نظم کا پھیلاؤ، شعری تلازمے اور حسن بیان!!

لفظوں کی موجِ رنگ میں غلطاں ہوئے گہر
لہجے کی آبجو میں چلی کشتیِ قمر
نوکِ قلم سے علم کی طابع ہوئی سحر

اور پھر سحر کی چھوٹ پڑی ذوالفقار پر
بالائے ذوالفقار عَلم جگمگا اُٹھا
اور ضوفشاں عَلم پہ قلم جگمگا اُٹھا (۱۲)

کھنکتے ہوئے الفاظ، مصارع میں تلازمے کا بر محل برتاؤ موضوع کی حقانیت کو ندرت خیال کے ساتھ حسن خیال اور ابلاغ کے پہلو اور اس کی اہمیت کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ فلسفہ ءِ جبر و قدر کے متلازم عناصر، حواس اور اسباب کو مدلل اور مربوط اظہار سے منسلک کر دیا ہے، گویا ایک معیار قائم کر دیا ہے، جس تک رسائی کسی بھی تخلیق کار کے لیے ایسا سہل اور عام فہم نہیں رہا، جس طرح کسی نظمیہ کا اپنے متن (کلام) سے ربط باہمی ایک لازمی امر ہے، اس طرح قاری کے لیے بھی یہ ربط قائم رکھنا لازمہ کی صورت ہے، ورنہ ابلاغ یا تسلسل کوئی یکطرفہ عمل نہیں، اِن اشعار کو ملاحظہ کیجیے:

اَسرارِ کائنات اُلٹنے لگے نقاب
تعبیر کی حدود میں آئے زمیں کے خواب
معنٰی سے روشناس ہوا خوفِ خاک و آب
ایوانِ روزگار میں یوں آئے بوتراب
جیسے درودِ شبنم تابندہ پھول پر
گویا نزولِ وحی، بطونِ رسول پر (۱۳)

ماضی حال اور مستقبل کی تکوین ہی انسان کی تاریخ نظمیہ کی داستان ہے۔ شعر بالائے شعر کیا ہے؟ جوش نے مقام محبوبیت کو جس حزن اور وارفتگی سے ہماری سماعتوں میں اُتارا ہے، یہ حظ اُٹھانے کی ایک اور کیفیت ہے ایک اور جہان ہے، جس سے مس ہونے کی جسارت دورانِ قرات قاری کو حاصل ہوتی ہے، یہ فیض موضوع کی عطا کے ساتھ ساتھ اظہارِ بیان کی زائیدہ بھی ہے، تخیل کے جمال، ہلال کی افسردگی سے خورشید کے زُلال تک کا یہ سفر یوں ہے:

اُٹھی نگاہِ فضل، پئے بارشِ کمال
دوڑا رُخِ کلام پہ تخیل کا جمال
پایا سخن کے جام نے افسردہ ہلال
برسا اَدب کے باغ پہ خورشید کا زُلال
بازار آب و رنگ میں فن کار آ گئے
شمعیں اُٹھائے، ثابت و سیّار آ گئے (۱۴)

سماج سے اظہارِ محض مقصدیت کے تابع نہیں ہوتا، نہ صرف عصری حسیت کے ساتھ جدت پسندی سے نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں، دراصل مدلل اور بامعانی ہونا ہی جدید فکر سے مزین ہونا ہے۔ جیسا کہ جوش کی مذکورہ نظم کا بیانیہ ہے، جسے کسی خاص عہد یا کسی خاص تناظر سے انسلاک ضروری نہیں رہا۔ یہ ہر دور پر ثبت کی جا سکتی ہے، ہر عہد کا عکس اِس میں دِکھائی دیتا ہے، درج ذیل اشعار میں ساقی سے ہم کلام ہونے کی جسارت شاعر کو پلکوں پہ کُرے کو اُٹھانے کا باوصف بنا رہی ہے:

ساقی ہمیشہ یاد رہے گا یہ اہتمام
قصرِ حواس کے ہیں درخشاں ستون و بام
قدموں پہ میرے لوٹ رہا ہے مہِ تمام
بس اب نہ دے شراب کہ یہ بارھواں ہے جام
اِس وقت دل کی جوت جگائے ہوئے ہوں میں
پلکوں پہ اِس کُرے کو اُٹھائے ہوئے ہوں میں (۱۵)

جوش 'طلوعِ فکر' میں محرکِ بحث ہے۔ وہ تقاضا کرتا ہے کہ کسی عام گفتگو کا حصہ دار نہیں ہے، اُس کی شعری زبان و بیان پر گرفت، شعر کے مفہوم کو اخذ کرنے کی سادہ و سہل کوشش نہیں ہے، وہ جس وارفتگی سے دائرہ در دائرہ طواف کر رہا ہے، اُس کی ہمرہی کے بغیر حساسیت کی اُس لہر تک پہنچنا ممکن نہیں، جہاں جوش اپنے قاری کا انتظار کر رہا ہے:

افسوں بدوش بارگہ ءِ آبِ آتشیں
اِک نقطہ ءِ طلسم پہ ٹھہری ہوئی زمیں
اور قلب پہ محیط باندازِ دل نشیں
ایسی اِک آن، وقت کا جس میں گزر نہیں
کثرت، نوائے نغمہ ءِ وحدت لیے ہوئے
ہر لمحہ، جیب میں ابدیت لیے ہوئے (۱۶)

مذکورہ نظم میں ایک مقام پر وہ 'گنگ و ترنگ' کی توجیہہ کو فٹ نوٹ میں بیان کرتے ہوئے اِسے بر محل قرار دیتے ہیں، یہ جوش کو زیبا ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی شعری گنجائش نکالنا چاہے تو نکال لے، یہ اُس کا حق ہے اور پھر اِس کا اظہار کرنا بھی گویا اُس کی کشادہ نظری اور آزاد منش، کشادہ ظرفی کی علامت ہے، الاّ یہ کہ معترض ہو کر اس کی توثیق نہ کی جائے۔ مزید بر آں بھی کئی صورتوں میں جوش کے لیے انحرافی رویہ پایا جاتا ہے، جسے حسنِ شعری سے ہی تعبیر کرنا چاہیے۔

☆☆☆

موجد و مفکر / جوش ملیح آبادی

جب اشاروں کو صدا بن کر نکھرنا آ گیا
اور صدا کو لفظ میں ڈھل کر اُبھرنا آ گیا
لفظ کو پھر حرف بن کر گل کترنا آ گیا
خاکِ صامت کو بلآخر بات کرنا آ گیا
لب ہلے تو کشتیاں چلنے لگی اعجاز کی
فکر انساں کو سواری مل گئی آواز کی (۱۷)

جوش ملیح آبادی کی یک کتابی طویل نظم 'موجد و مفکر' انجمن ترقی اردو ہند، دہلی سے شائع ہوئی۔ زیر نظر ایڈیشن پر سن درج نہیں ہے۔ اس طویل نظم کے کل ۱۷۲ بند ہیں جو مسدس کی ہیئت میں ہے۔ جوش کے ہاں شعری اظہار کی جو صورتیں ہیں اُن میں طویل نظم ایک خاصے کی چیز ہے۔ اُنھوں نے اپنے شعری سرمایہ میں متعدد طویل نظمیں تخلیق کی ہیں، اُن میں ایک طویل نظم 'پیغمبرِ اسلام' جو 1920ء میں کلیم بک ڈپو، گلی کندلہ کشان بازار فتح پوری دہلی سے شائع ہوئی۔ مزید بر آں 'آوازہ ءِ حق' جس کے ۲۹ بند ہیں، محمد قادر بخش نے دسمبر 1921ء میں شائع کی۔ اِسی طرح ایک مثنوی بعنوان 'پندنامہ' جو کہ ۲۷۰ شعروں پر مشتمل ہے اور جس پر درج ہے: 'برائے اصلاح میاں مجاز و دیگر جوانانِ بے پروا' شاعرانہ چشمک کو ظاہر کرتی ہے۔

مذکورہ نظم 'موجد و مفکر' کا موضوع وہ ہیں، جن کی سچائی کا دم ہر ذی روح انسان کی نس نس میں ہے، جو سراسر حق، وہ امام، وہ اسلام کا دائمی حق پرست، دلیر، سردار یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ گرامی قدر ہے:

سینہ ءِ آہن سے اُٹھی موجِ شمشیر و قلم
خاک میں جاگے نقوشِ دیر و ایوانِ حرم
ولولوں میں جھن جھنایا زمزموں کا زیر و بم
کروٹیں لینے لگے پتھر میں بے ترشے صنم
قلب زر میں بستہ کنگن چٹکیاں لینے لگے

موتیوں کو ریشمی ڈورے صدا دینے لگے (۱۸)

لہجے کی گھن گرج، الفاظ کی کھنک، ثقالت پسندی جوش کی شاعری کے عمومی موضوع ہیں، تاہم اُن کے شعری محاسن میں مصرع سازی کی اہمیت مسلمہ ہے۔ وہ مصارع کے درمیان کسی نامیاتی وجود کے اثر کو اس طرح زائل کر دیتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُنھیں موجود اور وجود کے تمام زاویوں سے نہ صرف حسی طور پر انسلاک ہے بلکہ اُن کے اظہار کا جوہر از خود اپنا راستہ بنالیتا ہے اور قاری پر 'کیفیت' طاری ہونے لگتی ہے:

گوہر خوش آب نے شعلے کو پانی کر دیا
ضعف نے طاقت کو صید ناتوانی کر دیا
فقر نے دولت کو محو نوحہ خوانی کر دیا
دین نے دنیا کو وقف سر گرانی کر دیا
صرف اک تنویر نے ظلمت کی خندق پاٹ دی
پنکھڑی کی دھار نے لوہے کی گردن کاٹ دی (۱۹)

تاریخی حقائق، آموزہ تصورات کے ذریعے ایسے نقوش ثبت کرتے ہیں، جن کی حسیت ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو جاتی ہے اور ہمیں اِس کا اظہار کرنے پر اُکساتی ہے کہ ہم اپنے کہنہ، تلخ عتقادات کا از سر نو جائزہ لیں اور اُنھیں متروک کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ یہی عزم اِن اشعار کی گونج میں بھی سنائی دیتا ہے کہ حسین ابن علیؓ اور اُن کے رفقائے کار نے اپنے نصب العین کو اپنے عمل سے ثابت کر دیا، یہی روشنی ہے، یہی حق ہے:

عزت و دستور پر جو سر کٹا سکتا نہیں
جو خود اپنے ہی چراغوں کو بُجھا سکتا نہیں
تان کر سینے کو جو میداں میں آ سکتا نہیں
موت کو جو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکتا نہیں
ہاں خود اپنے خون میں کشتی کو کھے سکتا نہیں
وہ حسینؓ ابنِ علیؓ کا نام لے سکتا نہیں (۲۰)

کیا واقعہء کربلا کسی ایک نسل کا المیہ ہے؟ کسی ایک فرد، کسی ایک قبیلے کی داستان ہے؟ اِس اندوہناک سلسلہ کو تاریخ کے کسی بھی موڑ سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ اِس واقعہ میں سماجی ناہمواری اور مزاحمتی ادب کی ایسی تصویر کشی جوش کے اِن اشعار کے بطون میں پائی جاتی ہے، جس سے صحراؤں کی تپش کو پانی کی روانی تک پہنچا دیا ہے۔ شاعری کی صناعی خود تزئین و زینت کی مشرقی جمالیات کے آہنگ میں ڈھل جاتی ہے۔ جوش نے شاعری میں نظریے کو اہمیت دی ہے اور شکوہِ لفظی بھی پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے:

سیکڑوں قلزم ملا کرتے ہیں تیرے جام سے
سیکڑوں گردوں بٹا کرتے ہیں تیرے بام سے
کس غضب کی لو نکلتی ہے ترے پیغام سے
زندگی کو جھرجھری آتی ہے ترے نام سے
گونجتا ہے روح میں ہر نغمہ ترے ساز کا
آج بھی کوندا لپکتا ہے تری آواز کا (۲۱)

شعری واردات میں روایت کی شستگی، نرماہٹ اور رچاؤ سے مملو شاعری کو پڑھتے ہوئے شاعر کی باطنی صداقت، جستجو اور اُس کے تخلیقی تجربے کا احساس ہوتا ہے کہ وہ تخیل کی کس سطح پر ہے۔ مصرعے کی ساخت اور اُس کی تشکیل جوش کے تفکر سے طلوع ہوتی ہے، جو بالیقیں داخلی واردات سے ہو کر گزرتی ہے۔ اِس سے زندگی کا سب سے اعلیٰ مفہوم بھی تلاش کیا جا سکتا ہے:

دیکھ پھر قصرِ جہنم بن چکا ہے روزگار

آنچ میں غلطیدہ پھر خیمہ ءلیل ونہار
سرزمیں پر حکم راں ہے باہزاراں اقتدار
آتش ودُود وُدخاں شعلہ وبرق وشرار
زندگی ہے برسر آتش فشانی یا حسینؑ
آگ دنیا میں لگی ہے آگ، پانی ہے حسینؑ (۲۲)

جوش کی طویل نظموں میں خیال کی بلند پروازی اور بلند خیالی کی صورت کہیں کہیں ایسی ہو جاتی ہے کہ مصرع کا دوسرا سِرا تلاش کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ تسخیریت سے مملو الفاظ کی صوتی ہم آہنگی سے، کئی معنوی پرتیں وا ہو جاتی ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ محض لفظ اور اُس کے ممکنہ معانی سے جُڑا نہیں رہتا بلکہ ایک لفظ کی دوسرے لفظ کے ساتھ جو نشست و برخاست ہوتی ہے، اُس کا فہم بھی خاص مقام کا حامل ہوتا ہے، خواہ وہ ادراکی سطح پر ہو یا حسی طور پر، دونوں طرح سے اثر پذیری کا ہونا یقینی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جوش ملیح آبادی، سرودوخروش، دہلی: مفید عام پریس، 1952ء، ص21
۲۔ ڈاکٹر رخسانہ صبا، اُردو کی چند طویل نظمیں اور اُن کا سیاسی پس منظر، کراچی: مطبوعہ: امتزاج، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی، شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر 2014ء، ص 98-99
۳۔ جوش ملیح آبادی، سرودوخروش، دہلی: مفید عام پریس، 1952ء، ص25
۴۔ ایضاً، ص60
۵۔ جوش ملیح آبادی، حرف وحکایت، بمبئی: کتب خانہ تاج آفس، س ن، ص219
۶۔ جوش ملیح آبادی، رامش ورنگ، بمبئی: قومی دارالاشاعت، 1945ء ص83
۷۔ نعیم السحر صدیقی، جوش کا تصورِ عظمتِ انسان، اسلام آباد: مشمولہ : ادبیات، اپریل تا جون 2010ء (جوش نمبر)، ص180
۸۔ جوش ملیح آبادی، رامش ورنگ، بمبئی: قومی دارالاشاعت، 1945ء ص91
۹۔ ایضاً، ص119
۱۰۔ جوش ملیح آبادی، طلوعِ فکر، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، س ن، ص42
۱۱۔ جوش ملیح آبادی، طلوعِ فکر، دیباچہ طلوعِ فکر: ص4
۱۲۔ ایضاً، ص46
۱۳۔ ایضاً، ص79
۱۴۔ ایضاً، ص88
۱۵۔ ایضاً، ص104
۱۶۔ ایضاً، ص116
۱۷۔ جوش ملیح آبادی، موجد و مفکر، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، س ن، ص6
۱۸۔ ایضاً، ص26
۱۹۔ ایضاً، ص88
۲۰۔ ایضاً، ص100
۲۱۔ ایضاً، ص112
۲۲۔ ایضاً، ص127